

## ملا کا علاج

محمد ظفر اللہ

گڑے مردے اکھیڑنا کوئی اچھی بات نہیں گئی جاتی۔ پر جب آدمی بڈھا پھونس ہو جائے اور بغیر منہ میں دانت اور بغیر پیٹ میں آنت کے زندگی کرنا مشکل ہو جائے تو پرانی یادوں کو کریدتا رہتا ہے اور ان پرانی یادوں کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی گڑے مردے بھی اپنی صورت دکھا دیتے ہیں۔ اگر انکی بے آنکھ بے بال کی کھوپڑی دیکھنے سے کوئی نصیحت آموز جھرجھری بھی آ جائے تو سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہے۔

تو ایسی ہی ایک جھرجھری ہم کو آئی جب ہم لوگوں کو یہ بتا رہے تھے، ٹوٹر پر، کہ ملا کا جلوس نکالے بغیر پاکستان میں کسی کی بھلائی ممکن نہیں۔ ایسے میں ہمیں جٹا یاد آگیا۔ جٹا، کوٹلی لوہاران میں ہائی سکول میں ہمارا کلاس فیلو تھا، یا ہمارے ساتھ تھا۔ نام تو اسکا ہمیں تب بھی پتا نہیں تھا پر چونکہ اسکا گھر ہمارے ایک جگری دوست کے گھر کے پاس تھا ہمیں اسکا کچھ پتا تھا۔ ایک روز سنا کہ جٹے کے چچا کو پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے۔ پھر یہ سنا کہ اس کے پیر صاحب نے اس کو خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے ٹیکے نہ لگوانے کا مشورہ دیا ہے۔

بات آئی گئی ہو گئی کہ روز لوگوں کو کتے کاٹتے ہیں اور کتا جب کاٹتا ہے تو اس پر پاگل کتے کا بی گمان ہوتا ہے۔ پر چند دن بعد پھر دھماکہ ہوا۔ پتا چلا کہ جٹے کے چچا کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ ہم بھی دیکھنے گئے۔ ان صاحب نے خود کو ایک کمرے میں بند کر لیا تھا اور باقی دنیا کا رابطہ ان سے لوہے کی سلاخوں والی ایک کھڑکی کے ذریعے سے تھا۔ جب جٹے کے چچا کی طبیعت خراب ہوئی تو انہوں نے اپنے پیر صاحب کو بلا بھیجا۔ اور کہا کہ صاحب اب چل چلاو کا وقت ہے میں دست بوسی کی کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ پیر صاحب کو اللہ پر اتنا بھروسہ نہیں تھا۔ اسی حیص بیص میں جٹے کے چچا ملک عدم کو روانہ ہوئے اور پیر صاحب اپنے گاؤں کو۔

ہم بھی اس واقعے کو قریب قریب بھول ہی چکے تھے کہ ایک خبر دیکھی جس کا لب لباب یہ تھا کہ پاکستانی ملا حضرات نے پولیو کے ٹیکے کو حلال قرار دے دیا جبکہ وہ اسے پہلے حرام قرار دے چکے تھے۔ اسی وقت جٹے کے چچا کی کی صورت آنکھوں میں پھر گئی۔ اور وہ انکی کوشش کہ کسی طرح پیر صاحب کے ہاتھ چومنے کا موقع مل جائے۔ پھر خیال آیا کہ ہو نہ ہو جٹے کے چچا چاہتے تھے کہ ہاتھ چومنے کے بہانے پیر صاحب کے ہاتھ پر کاٹ کھائیں تاکہ اپنی جان جانے کا کچھ بدلہ تو لے سکیں۔

سلام کرتا ہوں میں اس بزرگ کی روح کو، ایسا کارگر علاج سوچا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو کم از کم ہمارے علاقے میں پیروں کا جنازہ اٹھ جاتا، چلیں اس پیر کا ہی سہی۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اسی چیز کو ہم پاکستان میں آجکل کے حالات پر چسپاں کر کے دیکھتے ہیں کہ جٹے کے چچا کے طریق علاج کو کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے۔ آجکل پاکستان میں طرح طرح کے پیروں اور ملاوں کا زور ہے۔ وہ اپنے "علم" کے بل بوتے پر لوگوں کو مرعوب کئے رہتے ہیں اور اپنی من مانی

کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کا علم چند رٹی رٹائی دعاوں اور رٹے رٹائے خطبوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا جس کے بل پر وہ ان پڑھ لوگوں کے خداین بیٹھتے ہیں اور من مانے فتوے جاری کرتے رہتے ہیں۔

ان کے فتووں کا شکار زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں جرثوموں سے پھیلنے والے امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ ان امراض کا اکثر اوقات علاج ان حفاظتی تدبیروں میں ہوتا ہے جو کہ ویکسین کے ٹیکے لگا کر کی جاتی ہیں۔ پولیو بھی ایک ایسا ہی مرض ہے۔ اور ہمارے مولویوں اور پیروں کے زیر اثر بہت سے لوگ اس حفاظتی تدبیر پر توجہ نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ کہ پولیو کے ہاتھوں اپاہج ہونے والے اور خسره اور دیگر موذی امراض کے ہاتھوں مرنے والے بچوں کی قطاریں لگ جاتی ہیں۔ اس کا علاج تو یہی لگتا ہے کہ اگر مولوی کے فتوے سے کوئی دکھ یا نقصان پہنچا ہے تو ویسا ہی نقصان اور دکھ اس مولوی کو پہنچاؤ۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مولوی وہی جسے کچھ دنیا کا بھی پتا ہو۔ بھلا ایک مسیٹر مولوی کس کام کا جسے قال قال کے سوا کسی چیز کا پتا ہی نہ ہو؟ اور جو آج ایک فتویٰ دے کو کل تھو مارا کہ اسے بدل دے؟ ہمیں مولوی چاہئیں ایسے جو پرانے زمانے میں تھے۔ مسجد میں نمازیں بھی پڑھاتے تھے اور روٹی کمانے کے لئے حکمت کرتے تھے یا حرفت و تجارت میں مشغول رہتے تھے۔ اور کچھ نہیں تو ایسے مدرسے چلاتے تھے جن میں کہ علوم حاضرہ لوگوں کو سکھائے جاتے تھے۔ یہاں یہ ہے کہ جو علوم حاضرہ سے جتنا بے بہرہ ہو اتنا ہی بڑا مولوی۔ تو اپنی حکومت سے کہو کہ ہمیں پڑھے لکھے مولوی چاہئیں۔ جو کہ متعدی امراض کے موسم میں حکومت کے کام میں ممد ہوں نہ کہ حارج۔